



برینڈا فلینا گین

کسی قلم کے تلے آفتاب ٹھہریگا

کیلینہ آرمیک وہ

گھرائیوں سے مجھے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن میں امریکہ ضرور جاؤں گی اور اپنی آرزوں اور تمناؤں کو پار آور ہوتے دیکھوں گی۔ ”لفظ کی بات یہ ہے کہ انہیں اس وقت تک یہ نہ معلوم تھا کہ مذکورہ بالا چار مصرعے، رو برت فروست کے شاہ کار چیز۔ فلینا گین، ستمبر ۲۰۰۵ میں امریکی وزارت خارجہ کی ٹکپر سفری کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لائی تھیں۔ انہوں نے ملکت اور تی دہلی میں طلب اور پروفیسرول کو ”کلارنس ڈی کینن“ پر چاہب کیا۔ ان کی سیاحت نے ائم افریقی۔ امریکی ادب سے متعلق افکار و تصورات نیز کہانیوں، اس کے اثرات، کیش شافتی روحانیات اور تنوع کے بارے میں مراسخ، تیوس، لیبیا، قوشستان، ترکمانستان، چاؤ اور پناما میں الہ علم سے تبادلہ خیال کرنے کے موقع دیئے۔

فلینا گین، ۱۹۶۷ء میں امریکہ آئیں۔ اس وقت ان کے پاس ہائی اسکول کا ڈپلومہ تک تھا اور زاد سفر کے نام پر محض دس ڈالر کی رقم تھی۔ وہ تو اس مقصد سے آئی تھی کہ انہیں یہاں کوئی روزگار مل جائے گا تاکہ تربیت دادیں وہ اپنے کنہ کی مدد کر سکیں۔ لیکن ان کے نہایا خانہ دل میں اپنے لکھنی سلسلے کو جاری رکھنے اور ایک نہ ایک دن اپنے آبائی ملک کی وزارت عظیمی میکی بلندی کو چوم لینے کی خواہش موجود تھی۔ انہوں نے طلب کو دیئے جانے والے قرض سے جزل ڈپلوما حاصل کیا۔ کامیابی کے لئے ان کے آئندی عزم واردوں اور جو کتاب بھی ہاتھ گلی اس کا مطالعہ کرنے کی عادت نے

”انہیں ٹکپریوں میں کپڑے دھونے والی، ہوٹلوں اور اپتاوں کی صفائی سترائی کرنے والی خادم سے اسکول اور کیا، مجھے مایوس نہیں ہونا پڑا۔“

برینڈا فلینا گین نے چوبی اٹھ پر قدم رکھا اور پھر فراہی تر نہ ریز ہنسی کے ساتھ اپنے احساسات قلبی کا انہمار کرنے لگیں۔ ”مجھے محسوں ہوتا ہے جیسے میں اپنے گھر آگئی ہوں“ سرگرم و مستعد سیاہ فام امریکی۔ کریبیائی مصنف، دیال ٹکھہ کالج، نی دہلی کے ۱۲۰ طلبہ اور پروفیسرول کو چاہب کر رہی تھیں۔ سامعین گوش برآواز تھے۔ فلینا گین تاریخی تھیں کہ وہ ہندوستان کی خوشیوں اور آوازوں سے بہت مانوس ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کے اوپر ۱۹ سال تربیت دادیں ہندزادوں پڑوںیوں اور دوستوں کی معیت میں گزارے تھے۔ گوک ان کا قلعن طبقاتی تفریق زدہ سماج کے ایک غریب خاندان سے تھا لیکن فلینا گین نے حالات کے جبر کو، اپنے خوابوں کو شرمندہ تعمیر ہونے کی راہ میں کبھی سد راہ نہیں بننے دیا۔ وہ نوجوان امریکیوں کو یہ پیغام دینے کی کوشش کرتی ہیں: ”اس سے قطع نظر کہ تمہارے گردو پیش کیا ہو رہا ہے، جسمیں یقین حکم ہوتا چاہیے کہ تم اپنے خوابوں کو حاصل کر سکتے ہو۔“ وہ ناداری کے سبب ہائی اسکول پاس نہیں کر سکیں لیکن یہاں امریکی ان کی حوصلہ لٹکنی نہیں کر سکا کیونکہ انہوں نے پہنچنے میں ایک پرانی ہار پر بیکریں میں درج ذیل حوصلہ افزاطیں پڑھیں تھیں اور جنہیں انہوں نے تعریف دی اور زرجال بنا لیا تھا۔

دی او وڈس آرلوی، ڈارک اینڈ ڈیپ
بٹ آئی ہیو پر میسٹس ٹوکیپ
اینڈ مالکس تو گوبی فور آئی سلیپ
اینڈ میسٹس تو گوبی فور آئی سلیپ
وہ ماہی کے درپیچوں میں جھانکتی ہوئی کہتی ہیں، ”دل کی



امریکیوں میں
مقبول

بُرْجِیزی

اسٹیو ہال گیٹ

کھھ

کتابوں کے عنوانات اپنی
پ زبان سے ہی سب کچھ بول
دیتے ہیں۔ ”اور کمنگ اینڈر“، ”سیون
بیش آف ہائی اسٹیکلیو ہیپل“، ”ڈاکٹر
ائیلس“، ”ڈائٹر یو ڈاؤن“۔
دوسرے عنوانات کم راست ہیں۔ لیکن ان
سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا موضوع کیا ہے؟
”چکن سوپ فارڈی سول“، ”اویکن جیافت
دون“، ”ڈوٹ سوٹ دی اسال استف“۔

کچھ عنوانات زیادہ نمایاں و عددے کرتے
نظر آتے ہیں جیسے کہ ”لائف و داؤٹ
لیٹس“، ”لکٹر یور فیئرس“، ”اچیو یور ڈریکس“
اور ”میک یور سیلف پی۔“

ان کی آپ بیتی ہر جگہ، خاص طور پر ہندوستان میں لوگوں کو
حصلہ والوں بخشنی ہے۔ ذات پات کا نظام، فرد کی آزادی اور
موقع پر شدت سے لگام کستا ہے اور راہوں کو مسدود کرتا ہے۔
کسی فرد کا ذات پات کی بیڑیاں توڑنا گواہ صدر کی حالت خیز
موجوں میں خالف سنت تیرنے کے مترادف ہے۔ ذات پات
کا نظام اور طبقائی تفریق کا نظام دوں بدوں چلتے ہیں۔ حالانکہ
میں ترینیداد میں پلی یونی چہارہ عالم پر نسل موضوع گفتگو
نہیں ہوتا، پھر بھی ہمارے سماج میں خاموشی سے جاری نسلی
تفریق کے بارے میں ہم لوگ خوب واقع تھے کہ ذات پات
اور نسلی امتیاز سماج پر گھری گرفت رکھتے ہیں۔ قلبنا گین افریقی۔
امریکی اور کربیانی ادب پر وہی ڈاتی ہیں۔ مغربی بھگال میں
اگریزی کے پروفیسروں اور قلمکاروں سے ملاقات کے بعد
انہیں اندازہ ہوا کہ افریقی۔ امریکی ادب اور بھگالی ادب میں
کس قدر زبردست ممائیت ہے کیونکہ ”انہیں افریقی۔ امریکی
قلم کاروں کے بہت سے موضوعات میں خود ان کے سماج کے
موضوعات کی عکاسی نظر آتی ہے۔ وہ افریقی۔ امریکی قلم کاروں
کی جدوجہد سے خود اپنے آپ کو مضبوط اور با اختیار بنانے کا
سبق سیکھنی کو شیخ میں سرگراں نظر آتے ہیں۔“

کم سنی میں ہی وہ ایک سفید قام امریکی شاعر سے سے غیر
دانست طور پر متاثر ہو گئی تھیں۔ اسی شے نے انہیں اول عمری میں
ہی ادب کی اس قوت سے روشناس کر دیا جو جنگل۔ جنگ، پلچر اور
ڈلن پرستی سے اور اٹھ کر سوچنے کے سچھنے کا حوصلہ بخشا ہے۔ سیکی وجہ
ہے کہ ناتھ کیرو لینا میں ڈیوڈن کالج میں افریقی۔ امریکی
ادب، کربیانی ادب اور چلچیقی تحریر لکھنے اور پڑھانے کے باوجودہ،
وہ دنیا کے طول و عرض میں افریقی۔ امریکی ادب، اس کی
حصوں ایلوں اور اس کو دریش و قتوں کے بارے میں تقریرس
کرتی اور لوگوں سے تباولہ خیال کرنے کا وقت نکال لیتی ہیں۔
ان کے بقول، ”ذات پات کی نیاد پر تفریق کا یہ مطلب ہے کہ
حکومت اور اداروں کی کسی نہ کسی سطح پر ایسے افراد ہوتے ہیں جو
لوگوں کو ان کے جائز موقع سے محروم کرنے کے درپے ہوتے
ہیں۔ کوئی شخص بھی معاشر بلندیوں پر اپنے پیدائشی حق کا دعویٰ
نہیں کر سکتا۔ ذات پات پر میں نظام میں برابری اور یکساں
موقع کے لئے قوانین نہیں ہوا کرتے۔“

وہ لوگوں کو ”امید کا احساس دلاتی ہیں کہ وہ بھی ترینیداد سے
آئی ہوئی اس لڑکی کی طرح کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔“ ان کے
اسفار اور ان کے رحلات قلم کے پس پشت بھی جذبہ کا فرماء ہوتا
ہے۔ وہ بہت ہیں کہ بہت سے لوگ موجود نظام میں ”کسی بڑی
تجدیلی کے خواہ ہوتے ہیں“ لیکن ”اپنے روزمرہ کے
معمولات اور معاملات میں ہم لوگ ایک دوسرے کی مدد نہیں
کرتے۔“ وہ اس پرزور دیتی ہیں کہ انہوں نے طور پر خروائی کس
قدراہیت کی حالت ہوتی ہے اور یہ کہ اپنے سماج میں کوئی
انقلاب برپا کرنے کے لئے ہمیں اپنے گروہوں میں رہنے اور
لئنے والوں کی مدد اور خود اپنی مدد آپ کرنی ہو گی۔ وہ بہت ہیں کہ
ذات پات اور نسلی تفریق پر قابو پانے کے لئے پہلا اہم قدم
”ایک ایسے عملی اقدام کی مخصوصہ بندی ہے کہ آپ کا طریقہ کار
کیا ہو گا اور راہ میں کیا کیا مشکلات حل کیں ہوں گی“، اپنے خوابوں
کی تعبیر پانے کے لئے ہمیں پر خار را ہوں سے گزرتا ہو گا۔ قدم
قدم پر رکاوٹس کھڑی ہوں گی لیکن ”ان رکاوٹوں کو ہمیں مسائل
نہیں موقوع سمجھنا ہو گا۔“

یہ پوچھنے جانے پر کہ وہ ہندوستان سے کیا لے جا رہی ہیں،
فلینا گین نے کہا، ”میں لوگوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ ہندوستان
میں امریکی ادب کی کس قدر پر یہ ایسی ہوتی ہے اور ہندوستانی
پو فیسرز اسے کس قدر عزیز رکھتے ہیں۔“ انہوں نے ادا اب
ولجھے میں کہا کہ وہ ادب کی تعلیم و تدریس میں کتنی تہائی محسوں
کرتی ہیں جب وہ یہ دیکھتی ہیں کہ امریکے میں عظیم افریقی۔
امریکی قلم کاروں، اصل امریکیوں اور ہیپانوی ادیبوں کی قلمی
کاوشات نمایاں طور پر شایان شان پر یہاں سے محروم ہیں۔ سترہ
سے زیادہ مختصر کہا نیو، نیکوں، ایک ڈرام، ایک ناول، یہاں
آرڈانسٹک، ”یونیورسٹی آف مشی گن پر لیں“ اور مختصر کہا نیوں
کے ایک جمیعے ”ان پر یہ آف آئی لینڈز ویکن ایڈٹ اور
کرگس“ کی خالق کی جیشیت سے قلبنا گین کو خوب معلوم ہے
کہ متنوع وادو جیسین کس قدر حوصلہ بخش ہو گئی ہے۔ ”کاش کر
لوگ ہماری کوششوں کو جانتے اور سچھتے تو کیا خوب ہوتا۔ ہم جو
ادب تھیں کر رہے ہیں وہ پوری دنیا کے لوگوں میں ایک
نمایاں تجدیلی کا نقیب ہو سکتا ہے۔ ایک بات جس سے ہم
افراف نظر نہیں کر سکتے وہ یہ ہے کہ ہمیں وہ کہنا چاہیے جسے کہنا
لازم ہے اور وہ لکھنا چاہیے جس کا پڑھنا لازم ہے۔“ □

جیسا کہ آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ امریکہ میں یہ انتہائی مقبول "اپنی مدد آپ" کتابوں میں سے کچھ کتابوں کے عنوانات ہیں۔ ان میں سے بہت سی کتابوں کے ترجمے و تیاب ہیں۔ تمام تر اختلافات کے باوجود ان کتابوں کے عنوانات میں بہت کچھ مشترک ہے۔ یہ خود کو رجایت خیز انداز میں پیش کرنی ہیں۔ قادرین سے سیدھی بات کرتی ہیں۔ بالکل صاف زبان میں۔ اور ان میں اس کی المیت ہوتی ہے کہ وہ قاری کو ایک بھروسہ زندگی جینے میں مدد پہنچائیں۔ ہر سال امریکی باشندے اسی کی کروز کتابیں خریدتے ہیں۔ اپنی مدد آپ موضوعات پر لکھنے والے پیشتر نمایاں مصنفوں کو مقبولیت میں وہی مقام حاصل ہوتا ہے جو صرف بہت بڑے فلم اسٹار یا کھلاڑی کو حاصل ہو۔ "سیلف میٹرس" جیسی بہت زیادہ فروخت ہونے والی کتاب سمیت کئی اپنی مدد آپ کتابوں کے مصنف فلبی میک گرا ایک انجانی مقبول ٹیلی و ڈین ٹاک شو چلاتے ہیں۔ "پر پر کیسری ایڈنڈ فیڈ آف سینڈس" کی مصنفوں اداشیں عگرے بھی اپنی مقبولیت سے اسی طرح کی ملٹی میڈیا کامیابی حاصل کی ہے۔ "اویکن دی جیانت وون" اور "ان لمیٹڈ پاؤ" اور کئی مقبول اپنی مدد آپ کتابوں کے مصنف اتفاقی راپس کے ماننے والے بھی بہت سے ملکوں میں ہیں۔

اپنی بھی نہیں کہ اپنی مدد آپ کتابوں کی مقبولیت صرف امریکہ تک محدود ہو۔ جس ملک میں بھی تحریری زبان ہے اس ملک میں مقامی مصنفوں کی طبق زاد اپنی مدد آپ کتابیں سیالاب آیا ہوا ہے، اس کا آغاز ہو سکتا ہے کہ ۱۹۷۰ء میں ذیل کاربنگی کی کتاب "ہاؤ تو ون فرینڈس آیڈنڈ انفلوئنس پیپل" سے ہوا ہو۔ لیکن کچھ کتابیں اسکیاں دوسرے کتابے ہیں۔ بیجنگ ناگزرنے یہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اصل فروغ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخری اور ۱۹۷۰ء کی دہائی کے ابتدائی ہوئی کمر کو کیسے سڑوں کیا جائے۔ کچھ کتابوں میں والدین کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ خاندانوں کو کیسے مضبوط بنائیں۔ لیچھوں کو بتایا اوکے۔ یو آر او کے، جیسی کتابوں کے ساتھ آیا۔ یہ کتابیں ایک زبردست سماجی اور سیاسی کی بیجان کے وقت آئیں، جس وقت کہ امریکیوں کو اپنے اداروں پر سوالیہ نشان قائم کرنا شروع کریں۔ لڑکیوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ نوجوان ناسیت کے خصوصی چیلنجوں کا مقابلہ کیے کریں۔ لڑکوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ طبقائی فرق کا سامنا کیسے کریں۔ کچھ کتابیں یہ گرتی ہیں کہ اپنی مدد آپ "کتابیں طفوا راشناک" کا نشانہ بھی ہیں کہ اپنے مالیات کو کیسے سنبھالا جائے یا شادی کا بندھن کیسے مضبوط کیا جائے۔ کچھ کتابیں کھلائیں ہیں میں یہنکن بیشتر اسی کتابوں میں ایک طاقتور وحاظی عصر شامل ہوتا ہے۔

سائیکلوچی ٹوڈے میں شائع شدہ ایک مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس وقت امریکہ میں باورچی خانے کے غنوں سے متعلق کتابوں سے کہیں زیادہ اپنی مدد آپ کتابیں فروخت ہو رہی ہیں۔ اس مضمون میں اس بات سے ہوشیار کرتے ہوئے کہ ان میں سے کچھ کتابیں پیچیدہ مسائل کو ضرورت سے زیادہ آسان نہ کر پیش کرتی ہیں اور اس طرح کے غیر حقیقت پسندادہ مشورے دیتی ہیں کہ قارئین بہت آسانی کے ساتھ تعلیم چیلنجوں کا بھی حل حلاش کر سکتے ہیں، سائیکلوچی ٹوڈے اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ ان میں سے بہت سی کتابیں لوگوں کو ایسا ہشریک ہے اور تحریک حاصل کرنے میں مدد دے سکتی ہیں جن سے ثابت نتائج نہیں۔ □

مصنفوں کے بارے میں: میشو بیال گیٹ امریکی مخدود خارج کے یہودی افغانیشن افشاریہ میشن پروگرام سے شائع ہوتے ہیں۔ اسکے خصوصی نامہ ہمیں ہیں۔

